ترکی کے نئے وزیر اعظم

سلیمان ضمیریل

جس کا دروازہ ہر ملاقاتی کے لیے کھلا رہتا ہے

جمہوریہ ترکیہ کے نئے وزیر اعظم جناب سلیمان ضمیریل جو میدانِ سیاست میں آنے سے پہلے ملک کے ایک ممتاز انجینیر تھے بڑے کشادہ دل اور وسیع الظرف آدمی ہیں۔ پچھلے سال جب وہ موجودہ حکمران جماعت عدالت پارٹی کے صدر منتخب ہوئے تو ملکی سیاسیات کے افق پر ان کے اچانک آجانے کو بڑی اہمیت دی گئی۔

عہدۂ صدارت پر فائز ہونے کے صرف دو ماہ بعد وہ وزیر اعظم عصمت انونو کی کل جماعتی حکومت کو توڑ دینے میں کامیاب ہو گئے۔ "سواد خیری ارگوپلو" کی قیادت میں جب نئی حکومت بنی تو ضمیریل نائب وزیر اعظم کے عہدے پر متمکن ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے جماعت کی ساری مشینری میں نئی روح پھونک دی اور حالیہ الیکشن کے دوران انتخابی مہم کو ایسی خوبی اور مہارت سے چلایا کہ تمام حریفوں کو فاش شکست دے کر ترکیہ کی وزارتِ عظمیٰ کی کرسی پر قابض ہو گئے۔

سلیمان ضمیریل یہودیوں کے ازلی دشمن اور عرب ریاستوں کے لیے ہمدردی کے بڑے گہرے جذبات رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے زمانہ میں یہود کی خفیہ تحریکوں نے ترکیہ کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ میرے ملک کے لاتعداد مسائل کا حل نہ تو اشتراکیت پیش کر سکتی ہے اور نہ انیسویں صدی کا استعمار ہی اس کا مجرب علاج ہے۔ اسلامی اقدار اور ترکی روایات کا ان کے دل میں بڑا احترام ہے اور اب تو وہ انھیں بائیں بازو کے مفکرین اور

ملک کے دشمن عناصر کے خلاف بلا جھجک پیش کر سکتے ہیں۔ ضمیر یل ہمیشہ اس امر کے خواہش مند رہے ہیں کہ ترکیہ کو اس کے پاؤں پر کھڑا کر دیا جائے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مشرقی یا مغربی بلاک سے متعلق کسی بھی ملک سے کوئی امداد اور معاونت قبول نہ کی جائے۔

اندرون ملک سلیمان ضمیر یل تعلیم پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں اسی لیے اساتذہ اور طلبا کے لیے ان کے دل میں محبت اور منزلت کے بڑے گہرے جذبات موجود ہیں۔ ترکی میں عام خیال یہ ہے کہ ان کے عہد حکومت میں تعلیمی میدان کے اس خلا کو ضرور پُر کر دیا جائے گا جو عرصہ دراز سے محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں امید کی جاتی ہے کہ مزید متعدد کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی جائیں گی۔

---

۱۹ سالہ سلیمان ضمیر یل صوبہ سپارٹا کے ایک گاؤں "اسلام کوئیو" میں ایک کسان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ترکیہ میں وہ جنوبی اناطولیہ جیسے مردم خیز خطے کے رہنے والے ہیں جس کی خاک نے عصمت انونو، جلال بایار اور عدنان میندریس جیسے گرانمایہ لؤلوئے لالہ پیدا کیے۔ اس علاقے پر گیارھویں صدی عیسوی میں سلجوق ترکوں نے قبضہ کیا۔

ضمیر یل نے ابتدائی تعلیم ایسے ماحول میں حاصل کی جس پر قوم پرستی کی بڑی گہری چھاپ لگی تھی۔ آغاز کار ہی سے ان کی طبیعت کا میلان انجینئرنگ کی طرف تھا۔ وہ بڑے ذہین، محنتی اور اپنے سکول میں ہر دلعزیز تھے۔ سکول کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ استنبول چلے گئے جو ان دنوں علم و عرفان کا مرکز تھا۔ وہاں وہ استنبول ٹیکنیکل یونیورسٹی کے شعبۂ تعمیرات میں ہائیڈرالک سیکشن میں زیر تعلیم رہے۔ بعد ازاں ۱۹۴۹ء میں وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلے گئے۔ جہاں ایک سال تک مقیم رہے۔ ۱۹۵۲ء میں آئزن ہاور سکالرشپ لے کر پھر امریکہ چلے گئے۔ اس بار جب واپس آئے تو میندریس حکومت نے ان کی خدمات حاصل کر لیں، اور انھیں ۱۹۵۴ء میں اسٹیٹ واٹر ورکس کا ڈائرکٹر جنرل بنا دیا گیا۔ اس

مقام پر وہ ۱۹۴۰ء تک تعینات رہے۔ چھ سات سال کے اس مختصر سے عرصہ میں انھوں نے پندرہ نئے ڈیم اور سات سو نہریں تعمیر کرائیں۔ علاوہ بریں ان کی نگرانی میں آب پاشی اور برق رسانی کے کئی ایک منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ انھی درخشاں کارہائے نمایاں کے سبب انھیں "ہندوں کا بادشاہ" کہا جائے گا۔

سلیمان ضمیر بل بڑے تنومند جوان ہیں۔ مسکراہٹ اور شگفتگی ہمیشہ ان کے چہرے پر کھیلتی رہتی ہے۔ انھیں اہل خاندان خصوصاً اپنی والدہ اُمّاں خانم سے قلبی لگاؤ ہے۔ وہ شادی شدہ ہیں لیکن تاحال ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی تعلیم یافتہ بیوی "ناظمیہ خانم" قابل تقلید خاتون ہیں۔ سیاسی دوروں کے دوران وہ اپنے شوہر کا حتی الوسع ہاتھ بٹاتی رہتی ہیں۔

ضمیر بل طبیعت کے قدرے نازک اور تکلف اور رکھ رکھاؤ سے مبرّا واقع ہوئے ہیں۔ اپنے نام کے تمام خطوط خود پڑھتے اور ان کا جلد جواب دے دینے کے قائل ہیں۔ وہ بڑے دور اندیش اور عوام الناس کے گرویدہ ہیں۔ کل جماعتی حکومت میں جب انھیں نائب وزیر اعظم بنایا گیا تو انھوں نے اپنے سیکریٹری کو فوراً ہدایت کر دی کہ میرا دروازہ ہر اس شخص کے لیے کھلا ہے جو کسی بھی معاملے میں مجھ سے بات کرنا چاہتا ہو۔ تمھارے لیے لازم ہے کہ ہر ملاقاتی کو مجھ سے ملا دو۔

اپنی دیانت، خلوص اور اپنے کام میں انہماک کی وجہ سے نہ صرف فوج کے اعلیٰ افسر ان کے مداح ہیں بلکہ مخالفین تک کو اس امر میں انگلی اٹھانے کا یارا نہیں۔ اسی لیے مبصرین کا خیال ہے کہ ان کے اور مسلح فوجوں کے درمیان کسی تصادم کا کوئی امکان نہیں۔ ان کی یادداشت کے بارے میں یہ بات معروف عام ہے کہ اسمبلی اور سینٹ

میں عدالت پارٹی کے ہر ہر رکن کا نام اور اس کی شکل ان کے لاشعور میں محفوظ رہتی ہے وہ انگریزی اور فرانسیسی زبان کے بڑے اچھے مقرر ہیں۔ تمام ترکوں کی طرح ضمیر یل بھی بڑے پکے اور مخلص مسلمان ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی میں روزہ کبھی قضا نہیں کیا۔ ذہنی اعتبار سے اگرچہ وہ انجینئر ہیں لیکن جدید ترکی ادب اور ترکی اہل قلم کی نگارشات سے لطف اندوز ہونے کے لیے کبھی کبھار وقت نکال لیتے ہیں۔ وہ دور جدید کے مسلمان فضلاء کا بڑا احترام کرتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ ملک میں تعلیمی اور اسلامی اصلاحات رائج کی جائیں۔

کسی کی بدخواہی کرنا یا دل میں کسی کے خلاف نفرت کے بیج بوتے رہنا ان کے نزدیک لائق ستائش نہیں، اور یہی امر ان کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے حالیہ انتخابات میں ان کی کامیابی کے بعد جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ انتقام لینے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں تو اس کے جواب میں جو کچھ انھوں نے کہا ان کی سیر چشمی اور وسیع النظری کا بین ثبوت ہے۔ انھوں نے کہا:

"کس کا انتقام؟ کس سے؟ کوئی انتقام نہیں صرف عدل و انصاف امن و چین اور محبت و اخوت۔"

میوزیم کی نئی عمارت جس کی لاگت کا اندازہ کوئی ایک کروڑ روپیہ ہے حکومت ہند اور آندھرا پردیش کی سرکار کے ذمہ ہوگا۔ اس میں سالار جنگ کے جانشین کا فیاضانہ عطیہ بھی شامل ہے۔

میوزیم اپنے بانی نواب یوسف علی خاں سالار جنگ سوم کے ذوق لطیف، فیاضی اور نوادرات کے حاصل کرنے کے باعمل جذبے کا حامل ہے۔

موصوف ۱۸۸۹ء میں ریاست حیدرآباد دکن میں وزرائے اعظم کے ایک روایتی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابھی یوسف علی خاں ایک ہی سال کے ہوئے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔

مدراس سے میٹرک کرنے کے بعد وہ حیدرآباد میں مقیم ہو گئے۔

صرف ۲۲ سال کی عمر میں حیدرآباد دکن کے وزیر اعظم بنائے گئے لیکن تین ہی سال کے بعد انھوں نے چند شخصی مجبوریوں کی بنا پر اس عہدے کو چھوڑ دیا۔ اس نوجوان کی دلچسپی کے میدان کچھ اور ہی تھے۔ انھیں قلمی نسخوں، نوادرات، جواہرات، تاریخی اشیاء کی تلاش میں سیر و سیاحت بے حد مرغوب تھی۔ ان کا علمی ذوق بھی کچھ کم نہ تھا۔ انھوں نے ایک لاکھ روپے علی گڑھ یونیورسٹی کو بطور عطیہ دیے۔

اپنے صرفے سے ایک اردو رسالہ "شہاب" جاری کیا۔ بہت سے ادبی اداروں کی سرپرستی کی۔ ان میں وہ مشہور ادارہ "مجلس مخطوطات" بھی شامل ہے جس نے اہم دکھنی شعراء کے کئی مخطوطے تنقید و تشریح کے ساتھ شائع کیے۔

ان سب کے باوجود ان کی دلچسپی کا اصل مرکز نوادرات کی فراہمی تھا جس پر انھوں نے کوئی پچاس کروڑ روپے صرف کیے۔

اپنے انتقال کے وقت یعنی ۱۹۴۹ء میں وہ ایک ایسی تین سو کمروں پر مشتمل عمارت بطور میوزیم بنانے کے بارے میں سوچ رہے تھے جس میں مختلف اقسام کی اشیاء کی